حضرت غمگین شاہ جہان آبادی

جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ۔ حیدرآباد سندھ

۲

۷۔ غالباً محمد یونس خالدی نے شاہ غمگین کے والد مرحوم کی تاریخ وفات ۸ جمادی الاول ۱۱۷۵ھ تحریر کی ہے ۔ حالانکہ خود شاہ غمگین کے خلیفہ سید ہدایت النبی نے لکھا ہے : ۔

" وفات سید محمد بن سید احمد نا معلوم[۵۱] "

بہر کیف شاہ غمگین بقول خود والد بزرگوار کے وصال کے وقت ۱۲ سال کے تھے ۔ اس لئے سنہ ولادت ۱۱۶۷ھ نکلتا ہے اور کیونکہ ۹ ۲ سال کی عمر میں خواب دیکھا ہے اس لئے خواب دیکھنے کا سنہ ۱۱۷۶ھ مستفاد ہوتا ہے ۔ اگر سن ولادت ۱۱۹۵ھ تسلیم کیا جائے تو پھر ۱۲۲۴ھ نتیج ہوتا ہے ۔

۸۔ راقم نے اپنے مضمون میں جواہر نفیسہ کو شاہ غمگین کی تصانیف میں شامل کیا تھا ۔ محترم رضا محمد صاحب نبیرۂ شاہ غمگین کی اطلاع پر ایسا کیا گیا ۔ حال ہی میں راقم نے گوالیار سے جواہر نفیسہ کے دیباچہ کی مکمل نقل منگائی تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب میر فتح علی گردیزی کے خلیفہ غلام حسین قادری کی تالیف ہے ۔ شاہ غمگین نے صرف اس کو نقل کیا ہے ۔ اسی کے ساتھ اس میں اپنا ایک دیباچہ بھی شامل کیا ہے جس سے یہ غلط فہمی ہوگئی کہ یہ شاہ غمگین کی تالیف ہے ۔ محترم رضا محمد صاحب نے اس کے دونوں دیباچے نقل کر کے ارسال کئے ہیں ۔ شاہ غمگین کے دیباچۂ اول کے آخری کلمات یہ ہیں ۔

" بالجملہ وقت رحلت فرمودند کہ اکثر شغل واشغال کہ در طریقۂ انیقۂ پیشوایان ماست بہ میاں سید شاہ کہ از اہل اللہ و از مریدان و یاران خاص با اختصاص اند گفتہ ام جمع نمودہ

---

۵۱ سید ہدایت النبی : شجرات (قلمی)

نسخہ مرتب شدہ۔ آں را باید نوشت حسب ارشاد واجب الارشاد بہ آں پرداختم کہ کاتب و قاری ازاں فائدہ بردارد و بہ فاتحہ یاد آرد کہ بندہ این ست[1]"

دوسرے دیباچہ کا ضروری اقتباس یہ ہے جس کو محترم ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب نے شاہ غمگین سے منسوب کیا ہے :-

"..... می گوید نقیر حقیر تراب الاقدام سادات و نقرا غلام حسین حسینی، قادری مشرباً و فریدی نسباً، و شاہ جہان آبادی مولداً، عفی اللہ عنہ، از روئے شرف اندوز پابوس مخدومی سیدی سندی ..... سید فتح علی حسینی الصوفی الگردیزی ثم الشاہ جہان آبادی دام ظلہ، در برکاتہ علی طالبہ، شدم و بیعت نمودم۔ شب و روز در خدمت شریف حاضر می بودم و جاروب کشی آستانہ متبرکہ می کردم اکثرا وقات از راہِ عنایت بے غایت و شفقتِ بے نہایت تشویق بر ادعیہ و ذکر و فکر می فرمودند و در عرصہ سی و یک سال[31] انچہ از زبان درفشان ارشاد می شد آں را در صدف سینہ نگاہ می داشتم و می سپردم در خزینہ حافظہ ...... بہ خاطر داشتم کہ ایں جواہر نفیسہ را کہ از دریائے سینہ موجزن گشتہ بہ سفینہ سپارم ولیکن ایں ارادہ بہ سبب بعضے موانع از قوت بہ فعل نیامدہ بود کہ ناگاہ سیاحت بسمت جنوب در بلدہ حیدرآباد اتفاق افتاد در آں جا بہ تحریک بعضے احبا ایں فوائد نفیس و اسرار عجیب را در ۱۲۱۲ھ "غریب" کہ تاریخ تالیف ایں نسخہ شریفہ است برائے افادۂ طالبانِ حق و سالکانِ راہِ حقیقت باوصف کم فرصت ہا ترقیم نمود۔ وایں کلمات بر یک مقدمہ و یازدہ فصل مرتب ساخت کہ تا قبول صاحب نظراں و دیدہ وراں شود "ارشاد الحسینی و مفید الطالبین" نام نہادہ امید وار است کہ صاحب دلے بمطالعش حظے بردارد و فقیر را از دعائے حسن خاتمہ یاد فرماید" [2]

محولہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جواہر نفیسہ جس کا اصل نام ارشاد الحسینی و مفید الطالبین ہے، غلام حسین قادری کی تالیف ہے۔ جو انھوں نے حیدرآباد دکن میں ۱۲۱۲ھ میں مرتب کی۔ موصوف اپنے بیان کی روشنی میں ۱۱۸۱ھ

---

[1] غلام حسین : ارشاد الحسینی (دیباچہ از سید علی غمگین) ۱۲۱۲ھ (قلمی)

[2] غلام حسین : ارشاد الحسینی (قلمی) ۱۲۱۲ھ۔

میں میر نخ علی گردیزیؒ سے بیعت ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ تالیف مذکور کے وقت موصوف کو بیعت ہوئے ۳۱ سال گذر چکے تھے۔ بہرحال مندرجہ بالا بیان کو کسی صورت سے شاہ غمگینؒ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اس کی روشنی میں استدلال کی کوئی گنجائش نہیں۔

۹۔ سوال ۹ کے ذیل میں ناقدِ گرامی نے لکھا ہے:۔

"یہ بھی واضح رہے کہ رنگین کا استادِ غمگین نہ ہونا مسلّمات سے ہے" (برہان اکتوبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۴۲)

اس دعوے کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ راقم کے نزدیک تو یہ امر مسلمات سے ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے شاہ غمگینؒ (م ۱۲۶۸ھ) کو سعادت یار خان رنگینؔ (م ۱۲۵۱ھ) کا شاگرد بتایا ہے۔ مثلاً۔

۱۔ عبدالغفور نساخ: سخن شعراء ہند، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور۔ لکھنؤ ۱۲۹۱ھ۔ ص ۳۵۳۔

۲۔ قدرت اللہ قاسم: تذکرہ شعراء اردو موسوم بہ مجموعہ نغز۔ مرتبہ محمود شیرانی ۱۹۳۳ء۔ ج ۲، ص ۳۰۔

۳۔ خوب چند ذکا: عیار الشعراء (قلمی)

۴۔ ڈاکٹر اسپرنگر: یادگار شعراء ہند (مترجمہ طفیل احمد)

۵۔ ڈاکٹر بلوم ہارٹ: انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہندوستانی مخطوطات۔ مطبوعہ ۱۹۲۶ء

خود غمگینؒ نے سعادت یار خاں رنگینؔ کا قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے۔ اس میں بھی ان کو اپنا استاد تسلیم کیا ہے:۔

جب "استاد" رنگیں جہاں سے گئے — تو اک یادگاری رہی ریختی
خرد نے کہا یہ ہی تاریخ ہے — کہ ساتھ اُن کے غمگیں گئی ریختی
۱۲۵۱ھ

اگر اس قطعہ میں لفظ "اُستاد" کی کوئی تاویل کی جاسکتی ہے تو پھر مجالس رنگین کو ملاحظہ کیجئے اس میں تو سعادت یار خاں رنگینؔ نے صراحتاً شاہ غمگینؒ کو اپنا شاگرد بتایا ہے:۔

مجلس دہم در شاہ جہان آباد

در محفل شادی، میر سید علی صاحب پسر حضرت میر سید محمد صاحب کہ شاگرد بندہ اند و غمگین تخلص می نمایند، وارد بودم، او شاں این مطلع میاں جرأت را خواندند

گھر جو یاد آیا کسی کا اپنے گھر ہیں آن کر — چپکے چپکے روتے ہیں منہ پر دوپٹہ تان کر

وازبندہ فرمائش جواب آں کردند۔ فی الفور ایں مطلع و حسنِ مطلع موزوں کردم و بعد غزل را تمام رسانیدم۔ ۵ل

۹۵ ویں مجلس کے ذیل میں بھی میر سید علی غمگین کا ذکر آتا ہے:۔

مجلس شصت و پنجم درڈھاکہ یعنی جہانگیر آباد

مرزا عزیزالدین صاحب، و شیخ ہدایت اللہ صاحب، و میر جاگن ولالہ سدانند و مرزا عظیم بیگ و قدرت اللہ خاں صاحب مع چند شخص دیگر یک جا نشستہ بودیم و صحبت شعرو شاعری گرم بود۔ مرزائے موصوف ازبندہ پرسیدند کہ "درشاہ جہاں آباد جناب چند شاگرد دارید" ؟ گفتم "مذکر و مونث البتہ چہل و پنجاہ کس خواہند بود" و باز ارشاد کردند کہ "از نقل حافظہ خوب دارند چیزے چیزے ازکلام آں ہا کہ یاد باشد جُدا جدا از ہر یک بہ خوانند۔" اول ایں اشعار میر سید علی صاحب غمگین تخلص خواندم:۔

یہ داغِ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے | کہیں مٹا ہے کھدا نام بھی نگینے سے

جنوں نے چاک کیا ہے پھر اس گریباں کو | نہیں ہے فائدہ ناصح اب اس کے سینے سے

جو خاص بندے ہیں اس کے انہیں سوا اس کے | نہ کام مال سے ہے اور نہ کچھ خزینے سے

سوا تمہارے مجھے اور سے نہیں کچھ کام | یہ تم سے غیر لگاتے ہیں آ کے کینے سے

اب اس قدر ہمیں اس شوق نے ستایا ہے | کہ تنگ آئے ہیں غمگیں ہم اپنے جینے سے

ولہ

بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں | پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں

ولہ

مضطرب تھا دل اپنا جوں پارا | آخر اس شوخ نے جلا مارا

ولہ

شمع تیرا یہ مکھڑا ہے اور دل میرا پروانہ ہے | داغ جگر پر عشق میں تیرے مثل چراغ خانہ ہے

۵ل ڈاکٹر صابر علی: سعادت یار خاں رنگین۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو پریس ۱۹۵۰ء

ولہ

میرے صیاد نے اک ظلم یہ ایجاد کیا بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

ولہ

مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ زعفرانی ہے نکلتا آنکھ سے جو اشک ہو وہ ارغوانی ہے[1]

متذکرہ بالا حقائق کے سامنے کوئی وجہ نہیں کہ شاہ غمگین (م سنہ ۱۲۶۸ھ) کو سعادت یار خاں رنگین (م سنہ ۱۲۵۱ھ) کا شاگرد نہ تسلیم کیا جائے۔

۱۰، ۱۱۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق (م سنہ ۱۲۷۱ھ) کا شاہ غمگین (م سنہ ۱۲۶۸ھ) سے مشورہ سخن لینا خود شیخ کے تلمیذ خاص محمد حسین آزاد کی تحریر سے ثابت ہے۔ دیباچہ دیوانِ ذوق میں لکھتے ہیں۔

"جہاں متاعِ نیک دیکھتے تھے نہ چھوڑتے تھے، زمانہ کی درازی نے سات شاعروں کی نظر سے اُن کا کلام گزراتا تھا۔ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتے رہے اور سید علی غمگین وغیرہ وغیرہ استادوں سے بھی مشورہ ہوتا رہا۔"[2]

آزاد کا قول اگر معروف کے لئے قابلِ استناد نہیں تو کم از کم اُن کے اپنے اُستاد کے لئے تو ضرور لائقِ استدلال ہے۔

۱۲۔ مرزا غالب کے تلمذ کا مسئلہ بھی ایک عقدۂ لاینحل بن کر رہ گیا ہے۔ خود مولانا حالی چکراتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں[3] گو کہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی[4] اور نا قدر گرامی نے عبد الصمد کو وجود ذہنی قرار دے کر محمد معظم سے استفادہ کا ذکر کیا ہے۔[5] بہرکیف خود مرزا غالب کے متضاد بیانوں نے محققین کو مخمصے میں ڈال دیا ہے ع

نے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا

مرزا غالب نے اکثر جگہ عبد الصمد سے تلمذ کا ذکر کیا ہے اور جا بجا اُن کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً اپنی ان تصانیف میں:۔

---

[1] ڈاکٹر صابر علی، سعادت یار خاں رنگین: مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان سنہ ۱۹۵۰ء

[2] محمد حسین آزاد: دیباچہ دیوانِ ذوق مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس۔ دہلی۔ ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء

[3] مولانا حالی: یادگار غالب۔ مطبوعہ عالمگیر پریس لاہور۔ ص ۲۳۔ ۲۴

[4] امتیاز علی خاں عرشی: دیوان غالب مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ ورکس رام پور سنہ ۱۹۵۸ء، ص ۷۔

[5] ڈاکٹر مختار الدین احمد: احوال غالب۔ مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس۔ دہلی سنہ ۱۹۵۳ء۔ ص ۲۵۲۔

۱۔ درفشِ کاویانی۔ ۲۔ لطائفِ غیبی۔ ۳۔ تیغِ تیز۔ ۴۔ قاطعِ برہان۔ ۵۔ غالب نامہ۔
۶۔ پنج آہنگ۔ ۷۔ مکاتیبِ غالب۔ ۸۔ مکتوب بنام نواب ضیاء الدین وغیرہ وغیرہ۔

مگر جب اچانک تیغِ خامہ بے دریغ چلی تو اقراروں کا خون ہوگیا۔ صاف صاف انکار کردیا اور کس شان کا انکار:۔

"مجھ کو مبدءِ فیض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں۔ عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے۔ چونکہ مجھ کو لوگ "بے استادا" کہتے تھے، ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد گھڑ لیا ہے۔"[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

"در سخن از پرورش یافتگان مبدءِ فیاضم و سوادِ معنی را بہ فروغِ گوہرِ خویش روشن کردہ ام از ہیچ آفریدہ حق آموزگاریم بہ گردنم نیست و بار ہمایم بر دوش نیست۔"[2]

ظاہر ہے کہ ایسے اعلانات کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ مرزا غالب کا کوئی استاد بھی تھا اور انھوں نے کسی سے مشورۂ سخن بھی لیا تھا تو حیرت سے یہ بات سنی جائے گی۔

یہ تو محقق ہے کہ ذوق، شاہ غمگینؔ سے مشورۂ سخن لیا کرتے تھے اور ان کا شمار استادوں میں تھا۔ اسی استادِ فن کو مرزا غالبؔ نے اپنے مکتوب محررہ ۲۰ رجب المرجب ۱۲۵۵ھ میں لکھا ہے، جس کا ذکر کر چکا ہوں:۔

"دریں روز با غزلے در میانِ احباب طرح شدہ و دراں زمین دو بیت گفتہ شدہ بود۔ بہ چشم داشت اصلاح دریں ورق نگارش می پذیرد۔"[3]

مجالسِ رنگینؔ کی مندرجۂ بالا مجالس کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شاہ غمگینؔ اس وقت ایک باکمال شاعر تھے جب کہ مرزا غالب ابھی بچے ہی تھے کیونکہ مجالسِ رنگینؔ ۱۲۱۵ھ کے کچھ ہی بعد تالیف ہوئی ہے۔

مجالسِ رنگینؔ کی سترھویں مجلس میں رنگینؔ کی ایک غزل ملتی ہے[4]، جس پر غمگینؔ نے طبع آزمائی کی اور بعد میں

---

[1] مولانا حالی:۔ یادگارِ غالب۔ مطبوعہ عالمگیر پریس لاہور۔ ص ۱۴۰
[2] ڈاکٹر مختار الدین: احوالِ غالب۔ مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۵۳ء۔ ص ۲۵۶۔
[3] سید ہدایت النبی: مجموعہ مکاتیبِ غالب و غمگینؔ (قلمی) ۱۲۵۷ھ
[4] سعادت یار خاں رنگینؔ:۔ مجالسِ رنگین مرتبہ سید مسعود حسن رضوی۔ مطبوعہ نظامی پریس۔ لکھنؤ ۱۹۲۹ء

مرزا غالب نے اس غزل پر غزل کہی۔ رنگین کا مطلع ہے۔

رقیبوں سے اس کو بہم دیکھتے ہیں   یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

اس پر غمگین نے جو غزل کہی تھی اس کا مطلع ہے ؎

دوئی دور کر کے جو ہم دیکھتے ہیں   تو ہے ایک دیر و حرم دیکھتے ہیں

اس پر غالب نے جو غزل کہی اس کا مطلع ہے:۔

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں   خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

مرزا غالب کی یہ غزل نسخۂ بھوپال (۱۲۳۷ھ) میں موجود ہے۔ چونکہ بقولِ غالب:۔

"۱۵ برس کی عمر سے ۲۰ برس کی عمر تک مضامینِ خیالی لکھا کیا، دس برس میں بڑا دیوان جمع ہوگیا" ۵۱

اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ غزل ۱۲۲۷ھ اور ۱۲۳۷ھ کے درمیان کہی ہوگی۔ شاہ غمگین نے ۱۲۲۷ھ سے بہت پہلے مندرجہ بالا غزل کہی تھی اس لئے ان کی اولیت مسلم ہے۔ ایسی صورت میں مذکورہ بالا مکتوب میں لفظ "اصلاح" کو حقیقی معنوں میں سمجھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ خصوصاً جبکہ ہم کو یہ معلوم ہو کہ مکتوب منہ مکتوب الیہ سے کافی چھوٹے تھے۔ یہ بھی معلوم ہو کہ مکتوب الیہ اس وقت اُستادوں میں گنے جاتے تھے جب کہ مکتوب منہ ابھی بچہ ہی تھے؛ یہ بھی معلوم ہو کہ مکتوب الیہ سے ذوق جیسا کامل فن استاد بھی مشورۂ سخن لیا کرتا تھا جس سے مکتوب منہ کی معاصرانہ چشمکیں چلتی تھیں، اور یہ بھی معلوم ہو کہ مکتوب منہ، مکتوب الیہ سے جوانی میں مستفید ہو چکے ہیں اور اس کو "ذریعۂ رستگاری" سمجھا ہے:۔

"دریں بقعہ کہ دہلی نام دارد شبے شرف پابوس دریافتہ ام و آں را "ذریعۂ رستگاری" خویش دانم اینک برخود حیف می کنم کہ دراں ہنگام گوش ہوش شنوا و چشم ادراک بینا نہ بود" ۵۲

ان تمام حقائق کے سامنے ہوتے ہوئے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مکتوب منہ نے اس عمر میں بھی اپنی ــــ

---

۵۱ مرزا غالب: عودِ ہندی مطبوعہ مطبع نولکشور۔ لکھنؤ ۱۳۰۶ھ / ۱۹۴۱ء ص ۲۲۴
۵۲ سید ہدایت البنی: مجموعہ مکاتیب غالب و غمگین (قلمی) ۱۲۵۷ھ

"تلمیذانہ وضعداری" کو قائم رکھا، گو کہ عام طور سے اس کا اظہار نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ ایک رازِ سربستہ بن گیا۔

نواب مصطفٰی خاں شیفتہ (م ۱۲۸۶ھ) کی سخن فہمی اور سخن سنجی مشہور ہے۔ ان کی تحسین و آفرین پر مرزا غالب کو ناز تھا ؎

"غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیوان غزل "تا مصطفٰی خاں خوش نہ کرد" [۱]

یہی شیفتہ، شاہ غمگین (م ۱۲۶۷ھ) کو اپنے قطعۂ تاریخِ وفات میں کہیں "فخرِ زمانی" کہتے ہیں تو کہیں "شاہِ ملکِ کامرانی" اور یہ شعر بھی قابلِ غور ہے ؎

بطونش دیدۂ کحل البصیرت ظہورش سرمۂ چشمِ معانی [۲]

ظاہر ہے کہ یہ تعریف رسمی نہیں۔ ایسی باکمال شخصیت کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس سے غالب کو تلمذ یا ارادت تھی تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ اور خصوصاً جبکہ شواہد بھی میسر ہوں[۳]۔

۱۳۔ مرزا غالب نے شاہ غمگین کے نام جو مکاتیب بھیجے ہیں ان میں خود کو "مرید" لکھا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ باقاعدہ بھی مرید ہوئے ہوں۔ ایک مکتوب تو نقل کر چکا ہوں جس میں غالب نے لکھا ہے:۔

"اندیشۂ ایں "مرید" بہ بیرنگی از دوں تر شود"[۴]۔ (۲۸ محرم الحرام)

۱۰ ذی الحجہ ۱۲۵۳ھ کے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"...... لیکن ہم آں خواہم کہ "مرید خود را" بیش از اندازہ دراں نگارش نستائید و کمترین "بندۂ خود را" نمایند کہ ہر آئینہ اندریں صورت ہم مدعائے "خدام" حاصل می شود وہم خواہش ایں ننگ آفرینش روئے پذیرد۔"[۵]

۱؎ ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں: حالی کا ذہنی ارتقاء۔ مطبوعہ ادبی پریس۔ کراچی ۱۹۵۶ء ص ۲۳۷
۲؎ خواجہ احمد فاروقی: اُردوئے معلیٰ۔ غالب نمبر فروری ۱۹۶۰ء ص ۱۳۰ (دہلی)
۳؎ تفصیل کے لئے راقم کا مضمون "حضرت غمگین غالب کی نظر میں" مطبوعہ اکتوبر ۱۹۶۰ء رسالہ "اردو" انجمن ترقی اردو کراچی مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق۔ ملاحظہ فرمائیں۔
۴؎ ۵؎ سید ہدایت الغنی: مجموعہ مکاتیب غالب و غمگین (قلمی) ۱۲۵۶ھ

یہاں تو صراحتاً "مرید" لکھا ہے تاویل کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ دیوانِ رباعیات مکاشفات الاسرار (۱۲۵۵ھ) کا مرزا غالب کے لئے بطور "رسالہ تصوف" ترتیب دیا جانا بھی اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ وہ مرید ہی تھے۔ شاہ غمگین دیباچۂ دیوان مذکور میں تحریر فرماتے ہیں۔

...... چوں دیوانِ تو بہ اتمام رسید و واردات و غلبات و کیفیات بر دلم استیلا داشت خواستم کہ برائے "برادرِ دینی"[۵۱] عزیز از جان اسد اللہ خاں میرزا نوشہ متخلص بہ غالب واسد ..... از ابتدائے سلوک حضرات قادریہ و نقشبندیہ تا انتہا در پیرایۂ رباعیات کہ بطور "رسالہ تصوف" باشد، ترتیب دہم[۵۲]۔

سید ہدایت الغنی نے غالب و غمگین رح کے مکاتیب کا جو مجموعہ مرتب کیا ہے اس میں مرزا غالب کے تیسرے مکتوب محررہ ۱۲۵۵ھ کے آخری الفاظ یہ ہیں:-

...... پیر و مرشد غلامے خریدہ از ادش نہ خواہند کرد کہ غلام وفادار است زیادہ ازیں چہ گویم کہ گفتن را نہ شاید۔ از اسد اللہ، نگاشتہ ہژدہم ربیع الاول روز شنبہ، ہنگام نیمروز ۱۲۵۵ھ"[۵۳]

ایسی واضح تحریر کے بعد مزید ثبوت کی ضرورت نہ ہونی چاہیئے:-

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب ۔۔۔ گر دلیلے بایدت رو رو متاب

مرزا غالب کے مسلکِ خودی کے منافی تھا کہ وہ کسی ایک کا ہو کر رہ جائیں۔ اسی لئے ان کی زندگی نے بہت سی کروٹیں بدلیں۔ منشی بال گوبند ماتھر نے اپنے اخبار میں غالب کی زندگی کا یہ ورق الٹا ہے:-

"ایک عرصہ ہوا جب یہ نامی شاعر زیور اسلام اتار کر حلیۂ زمیمین سے آراستہ ہوا تھا، ہرچند اس

---

۵۱ لفظ "برادرِ دینی" بھی قابلِ غور ہے۔ مشائخ طریقت اپنے مریدین اور خلفاء کو "اخی" یا "برادرِ دینی" سے تخاطب کرتے ہیں۔ خواجہ ابوالحسین (م ۱۲۶۳ھ) نے شاہ غمگین (م ۱۲۶۸ھ) کو جو اجازت نامہ دیا تھا اس میں موصوف کو "برادرِ دینی" لکھا ہے۔

۵۲ سید علی غمگین: مکاشفات الاسرار (قلمی) ۱۲۵۶ھ۔

۵۳ سید ہدایت الغنی: مجموعہ مکاتیب غالب و غمگین (قلمی) ۱۲۵۶ھ۔

احباب نے حال اس مذہب نو اختیار کا اور کیفیت فرمیسن ہوس کی دھوکا دے دے کر

بھی دریافت کی، پر اس نے ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہ نکالا یہی کہے گیا کہ "کچھ نہ پوچھو

یہ کرامت اور وصف اس مذہب کا خاص مشہور ہے" ؎

اس تلوّن کو دیکھ کر بھی یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ شاہ غمگین سے بھی بیعت ہوئے ہوں اور بعد میں

بنا بر خوشامد بہادر شاہ ظفر کے مرید ہو گئے ہوں۔

نوٹ

اگر ناقد گرامی، میر سید علی غمگین کے حالاتِ زندگی یا خاندان کے متعلق مزید تحقیق کرنا چاہیں

تو محترم و مکرم رضا محمد صاحب دام عنایتہم نبیرۂ شاہ غمگینؒ کی طرف اس پتہ رجوع کریں۔

بیڑا حضرت جی، نقیر منزل، گوالیار

موصوف کے خاندانی کتب خانے میں شاہ غمگینؒ کی تمام تصانیف اور متعلقہ مسالا موجود

ہے۔ راقم پاکستان میں ہونے کی وجہ سے کتب خانہ مذکور سے خاطر خواہ استفادہ نہیں

کر سکا۔ مناسب ہوگا کہ ناقد گرامی اس طرف توجہ فرمائیں۔

؎ ذخیرۂ بال گوبند" مطبوعہ آگرہ اردو اخبار پریس۔ آگرہ۔ مارچ ۱۹۶۹ء (احوال غالب، ص۔ ۲۱)

فلسفہ کیا ہے؟

یہ کتاب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کے قیمتی مقالات کا مجموعہ ہے۔ ہیگل کا قول ہے کہ "جس مہذب

قوم کا فلسفہ نہیں ہوتا اس کی مثال ایک عبادت گاہ کی سی ہے جو ہر قسم کی زیب و زینت سے آراستہ ہے

لیکن جس میں قدس الاقداس کا وجود ہی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مقالات پڑھکر آپ اپنے فلسفہ سے پوری طرح

باخبر ہو جائیں گے۔ مقالات کے چند سرنامے ملاحظہ فرمائیے:۔ (۱) قرآن اور فلسفہ (۲) فلسفہ کیا ہے؟

(۳) ہم فلسفہ کیوں پڑھیں (۴) فلسفہ کی دشواریاں۔ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ۔ مجلد دو روپے۔

مکتبۂ برہان۔ اردو بازار۔ دہلی ۶